OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 3 (July-September 2021)

ملتان کے اسلوب تعمیر و ثقافت پر تصوف کے اثرات: ایک تحقیقی مطالعہ

A Study of the Impact of Sufism on the Architecture and Culture of Multan

Dr. Sobia khan

Assistant Professor of Islamic Studies, The Govt Sadiq College and Women University Bahawalpure

Abstract

The architecture of any nation is a reflection of its social, cultural and religious needs. Religion has greatly influenced architecture. Religion gave the concept of worship. From which came the shrines which were built according to the beliefs of this religion. There is a deep imprint of Islam on architecture. The promotion of the burial of civilization and culture and literature in Multan is mostly attributed to the Sufis and the saints of Ghattam, because the foundation of the Sufis' humble and virtuous deeds was the result of their efforts to realize beauty and to create beauty. - Behind these arts was the energy of Sufi beliefs, ideas and expressions, as well as the power of their cultural temperament and internal affairs.

Keywords: Multan, Sufism, Architecture, culture

تمہید

کسی بھی قوم کا فن تعمیر اس کی معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی ضرورتوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مذہب نے فن تعمیر کو بہت متاثر کیا ہے۔ مذہب نے عبادت کا تصور دیا۔ جس سے عبادت خانے وجود میں آئے جو اس مذہب کے عقائد کے مطابق تعمیر کئے گئے۔ فن تعمیر پر اسلام کی گہری چھاپ ہے۔ مساجد اور خانقاہیں مسلم فن تعمیر کے عظیم مظاہر ین۔ مسلم فن تعمیر کے بارے میں ڈاکٹر سید اسد علی لکھتے ہیں: عرب کے مسلمان ہو جانے کے بعد وہاں کی تمام ثقافتی چیزوں کو قرآن کی روشنی میں اسلامی رنگ میں رنگ لیا گیا۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت جہاں جہاں ہوئی، وہاں وہاں رسوم کی اسلامی آدرشوں کے مطابق ڈھال کر مسلم ثقافت کو ترقی دی گئی۔ مسلم فن تعمیر نے کہیں تو غرناطہ کے قصرۃ الزاء اور قصر احمر، کہیں بغداد کے قصرمین اور قصر زبیدہ کے طرز تعمیر کو اپنایا، کہیں سارسنگ، سریانی اثرات کو قبول کیا۔ اس طرح اسیریا بلونیا مصر، یونان، روم، باز نطین، بغداد، ایران وغیرہ جہاں

CC BY

جہاں بھی اسلامی قوت روحانیت کی اشاعت ہوئی۔ مسلمانوں نے اسلام کی روشنی میں ڈھال کر وہاں کی ثقافت اور فنون کو اختیار کر لیا۔[1] سرزمین ملتان کو انسانی تہذیب و معاشرت کے حامل قدیم ترین شہروں اور خطوں پر جو فضیلت حاصل ہے رہی ہے۔ اس کا سبب محض اس کی قدامت یا بابل نینوا اور موہنجوڈارو کی ہم عصری یا ہمسری نہیں بلکہ اس کا یہ شرف ان صوفیاء اور اولیائے کرام کی بدولت قائم ہوا جنہوں نے اس سرزمین کو اپنا مستقل مستقر بنایا اور یہاں رشد و ہدایت، علم و عرفان، تعلیم تعلم اور فلسفہ و تصوف کے بیج بوئے بلکہ تہذیب و ثقافت اور ادب و شعر میں مثبت اور تعمیری رویوں کو بھی عام کیا۔ ارض ملتان کے قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) اور قدیم اسلوب تعمیر کی حامل عمارتوں، خانقاہوں اور مسجدوں کے نیچے صدیوں اور قرنوں کی تہذیبی چنگاریاں دبی ہوئی ہیں۔ محمد بن قاسم کی امد کے بعد یہاں اسلامی اقدار کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کے چراغ روشن ہوئے محمود غزنوی کی فتح ملتان تک عرب مسلمانوں کی حکومت یہاں کسی نہ کسی صورت میں قائم رہی۔ محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ ہی بے شمار صوفیاء، بزرگ ہستیاں، مذہبی شخصیتیں اور علم و فضل کے حامل لوگ ہندوستان میں آنا شروع ہوئے۔ ان میں ''كشف المحجوب'' کے مصنف مشہور صوفی بزرگ علی بن عثمان علی ہجویری غزنی سے روانہ ہو کر مسلمان ممالک کا سفر کرتے ہوئے آخر لاہور پہنچے۔

سرزمینِ ملتان کو تو سب زمینوں سے بڑھ کر بزرگوں اور صوفیوں کے لیے ایک عظیم مرکز بنی رہی۔ اسی لیے اسے مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے ملتان میں کئی برس تک قیام فرمایا۔ مقامی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد بغرض اشاعت اسلام اجمیر جا کر مستقل قیام فرمایا۔ سید جلال الدین بخاری اُوچشریف میں اور بابا فرید الدین گنج شکر پاک پتن شریف میں قیام پذیر ہوئے۔ قطب الدین بختیار کاکی ملتان تشریف لائے۔ قیام فرمایا۔ اور تبلیغ کے بعد دہلی کوچ کر گئے۔ جلالدین سرخ پوش نے اُوچشریف میں اور غوث بہاؤالحق زکریا نے ملتان میں سکونت اختیار کی[2] ملتان میں تہذیب و ثقافت اور ادب دفن کی ترویج کا سہرا زیادہ تر صوفیائے کرام اور اولیائے غظام کے سر جاتا ہے کیونکہ صوفیائے کرام نے شائستہ اور شستہ اعمال کی جو بنیاد ڈالی وہ ان کے ادراک جمال اور تشکیل جمال کے سلسلے کی کاوشوں کا ثمرہ تھا۔ ان فنون کے پیچھے صوفیائے کے عقائد تصورات اور اظہارات کی توانائی بھی موجود تھی اور ان کے تہذیبی مزاج اور داخلی واردات کی قوت بھی۔۔

اسلامی اور ہندوانی فن تعمیر میں نہ صرف صوری اعتبار سے فرق ہے بلکہ معنوی اعتبار سے بھی اختلاف ہے اور دونوں میں تعمیر کے علیحدہ طریقے بھی برتے گئے مسلمانوں اوہندوؤں کی مختلف مذہبی و معاشرتی رسوم، نیز ان حالات کے مطالعہ سے جن کے ماتحت وہ زندگی بسر کرتے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کے طرز تعمیر کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا لازمی تھا۔ مسلمان جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے ان کا طریق عبادت بالکل سادہ تھا۔ وہ خدا کو بتوں کے مجازی پیکر میں دیکھنے کے قائل نہ تھے۔ پادریوں اور پنڈتوں کی طرح ان کے کوئی پیشہ و مذہبی پیشوانہ تھے۔ اور نہ وہ وہ پر اسرار فضا تھی جو ایسے مذہبی لوگوں کے گرد پیدا ہو جاتی ہے مسلمان مردوں کو دفن کرنے کے متعد تھے ان میں قبروں پر پائدار مقبرے بطور یادگار تعمیر کرنے کا رواج قائم ہو چکا تھا طریقہ تعمیر میں ایک اور فرق یہ تھا کہ ہندو کو جوڑنے والے مسالے مثلاً چونے کا استعمال نہیں کرتے تھے اس کے برخلاف مسلمانوں کی عمارتوں میں چونا بکثرت استعمال ہوتا مسلمانوں کی مسجد کھلی اور وسیع اور نماز باجماعت کے لئے بڑے بڑے والانوں پر مشتمل ہوتی تھی اس کے برعکس ہندوؤں کے مندر میں صرف دیوتا کی مورت کے لئے ایک چھوٹا کمرہ ہوتا تھا۔ جس تک پہنچنے کے لئے ایک طویل تنگ و تاریک گزرگاہ ہوتی تھی ہندو اپنی عمارتوں کو سانچوں میں ڈھلی ہوئی مورتوں وغیرہ سے آراستہ کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کی عمارتیں زنگ خطوط، ابھرواتی نقاشی اور خطاطی سے آرائش زیادہ طبیعاتی اور پرکار ہوتی تھیں لیکن مسلمان اپنی آرائشوں میں بہت اعتدال سے کام لیتے تھے۔ رصغیر پاک و ہند میں ملتان وہ شہر ہے، جہاں پہلی

صدی ہجری ہی میں مسلمانوں کے قدموں کے نشان پہنچے۔ یہاں پہلی مسجد 711ء کو محمد بن قاسم نے فتح ملتان کے بعد قلعہ کہنہ پر تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد کو ملتان کے اسماعیلی گورنر جلم بن شعبان نے منہدم کرا دیا تھا، مگر اس کے آثار 19 ویں صدی تک قائم تھے 1818ء میں جب سکھوں نے ملتان فتح کیا تو ان آثار پر اسلحہ خانہ تعمیر کرا دیا، جو انگریزوں کے حملہ ملتان 1849ء کے دوران بارود میں آگ لگ جانے کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ مسجد محمد بن قاسم کے آثار بھی مٹ گئے۔ اس کی ایک نشانی تانبے کی ایک لوح کی شکل میں آج کل عجائب گھر لاہور میں دیکھی جا سکتی ہے۔ سلاطین دہلی کے عہد میں یہاں بہت سی خوبصورت مساجد تعمیر کی گئیں، ان مساجد میں سلطان شہاب الدین غوری کی مسجد بھی قابل ذکر تھی۔

ملتان میں سب سے پہلے محمد بن قاسم نے دو مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایک قلعہ کہنہ پر جسے علم بن شیبان نے جو اسماعیلی فرشتے سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر بند کر ڈالا۔ بعد میں محمود غزنوی نے عم بن شیبان کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کروا کے محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔ آخر کار سکھوں نے اسے منہدم کرا دیا۔ دوسری مسجد اندرون ملتان بنوائی جو آج بھی چوڑی سرائے میں خستہ حالت میں موجود ہے۔[3]

حضرت دیوان چاؤلی مشائخ

حضرت دیوان چاؤلی مشائخ اولین کے صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ وفات (۱۳۱ھ) کے لحاظ سے حبیب عجمی (متوفی ۱۴۱ھ) سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) مالک بن دینار (متوفی ۱۲۸ھ) اور داؤد طائی (متوفی ۱۶۲ھ) کے ہم عصر ہیں۔ اس لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کے صوفیاء میں آپ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ چونکہ آپ کا تعلق سرزمینِ ملتان سے تھا اس لیے ان کے بدولت ملتان کا شمار تصوف کے اولین مراکز میں ہوتا ہے[۱]۔ حضرت دیوان چاولی مشائخ برصغیر پاک و ہند کے پہلے صوفی ہیں اور اس اعتبار سے ان کا روضہ بھی قدیم ترین ہے۔ مقبرے کو موجودہ شکل میں محمود غزنوی نے تعمیر کرایا اور جہانگیر نے اس کی مرمت کرائی اس مزار کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہاں بڑے بڑے صوفیاء نے چلہ کشی کی اور روحانی طور پر اکتساب فیض کیا۔ پروفیسر محمد امین لکھتے ہیں کہ "آپ کے مزار پر بڑے بڑے صوفیاء نے چلہ کشی کی اور فیض پایا جن میں بابا فرید گنج شکر، جلال الدین سلمان، بہاؤالدین زکریا ملتانی، عثمان مروندی، لال شہباز قلندر جیسے صوفیاء کے اسماء شامل ہیں ہندوؤں نے بھی آپ کے مزار پر چلہ کشی کی جن میں بابا گرونانک بھی شامل ہیں۔[4]

حضرت دیوان چاؤلی مشائخ:

حضرت دیوان چاؤلی مشائخ اولین کے صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ وفات (۱۳۱ھ) کے لحاظ سے حبیب عجمی (متوفی ۱۴۱ھ) سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) مالک بن دینار (متوفی ۱۲۸ھ) اور داؤد طائی (متوفی ۱۶۲ھ) کے ہم عصر ہیں۔ اس لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کے صوفیاء میں آپ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ چونکہ آپ کا تعلق سرزمینِ ملتان سے تھا اس لیے ان کے بدولت ملتان کا شمار تصوف کے اولین مراکز میں ہوتا ہے۔[5]

شاہ یوسف گردیز

شاہ یوسف گردیز پانچویں صدی ہجری کے صوفی بزرگ ہیں۔ آپ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ھ) میں عزنی کے نواحی علاقہ گردیز میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید ابو بکر، سیدنا حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے تھے۔ اور آپ کے دادا مخدوم شاہ علی قسور جنیدی علی گردیز تھے۔ ۴۸۱ھ میں اپنے مرشد جناب شاہ علی قسوری کے کہنے پر ملتان تشریف لائے۔ اور یہاں باقاعدہ تدریس و تبلیغ شروع کی اور آخری وقت تک لوگوں کو اپنے فیض سے نوازتے رہے۔ سید یوسف گردیزی کی درس گاہ کے بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں۔ "یہ پہلی باقاعدہ درسگاہ تھی جو محمود غزنوی کے بعد ملتان میں اسلامی علوم کی ترویج کے لیے قائم ہوئی۔

لیکن محمود غزنوی کے جانشینوں نے اسکی طرف توجہ نہ کی"۔[6] اس وقت ملتان کی سرزمین اندرونی طور پر قرامطہ کی قہر سامانیوں اور بیرونی طور پر غزنیوں کی تاخت و تاراج کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی اس صورتِ حال میں لوگوں میں بے سکونی اور بد دلی کا پھیلنا اور روحانی اور اخلاقی زوال آچکا تھا۔ ان حالات میں ملتان میں آمد باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ کے فیض باطنی سے لوگوں کے خشک اور ویران شدہ روحانی جذبوں کو سیراب کیا۔ عبادت و ریاضت کے ذریعے روحانیت اور وجدان کی اعلیٰ اقدار کا عملی نمونہ پیش کیا۔ ارضِ ملتان کے مطابق "آپ کا سب سے زیادہ کارنامہ ملتان کی از سرنو آبادی اور بحالی ہے "حضرت شاہ یوسف گردیز کی آمد سے ملتان میں تصوف کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ آپ نے اپنی تبلیغ کی بدولت نہ صرف ملتان سے قرامطہ فرقے کو مٹایا بلکہ بہت سے ہندوؤں کو بھی مسلمان کیا۔ حضرت شاہ یوسف گردیز ۲۱ سال کی عمر میں اور ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی گویا ۵۰ برس تک آپ نے اہلِ ملتان کو اپنے علم و فضل اور روحانی کمالات سے فیض یاب کیا۔ حضرت شاہ گردیز کا مزار بوہڑ گیٹ کے اندر محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے۔ اس محلے میں زیادہ تر گردیزی سادات زمانہ قدیم سے رہائش پزیر ہیں۔ اس خاندان کا ذاتی کتب خانہ عظیم کتب خانوں میں شمار ہے۔ جس کی بنیاد شاہ یوسف گردیز نے رکھی۔ "حضرت شاہ یوسف گردیز نے کتب خانہ کی بنیاد رکھ کر ملتان کو پہلی مرتبہ ایک خزانہ سے آشنا کیا ان کے خاندان میں کتب خانہ خصوصی امتیاز ہے"[1]۔ ملتان کے مزارات میں جو فن تعمیر کے عمدہ ترین مظاہر ہیں، منفرد اور سب سے قدیم شاہ یوسف گردیز کا مزار ہے۔ جس میں نہ صرف ملتان بلکہ ہندوستان میں اسلامی اور ایرانی روایات کو روشن کیا۔ حضرت شاہ یوسف گردیز کا مزار فن تعمیر کا ایک انوکھا اور عمدہ شاہکار ہے۔ یہ قدیم ترین مزاروں میں سے ایک ہے اسے ۱۱۵۰ میں ء میں شاہ یوسف گردیز کی وفات کے بعد تعمیر کیا گیا۔ یہ اندرون بوہڑ گیٹ محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے اس کا ایک نمونہ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔ فنی لحاظ سے یہ مقبرہ سادہ اور چوکور ہے۔ اس کی لمبائی ۳۷ فٹ اور چوڑائی ۳۲ فٹ ہے۔ اس میں جو انٹیں استعمال ہوئی ہیں کی لمبائی آٹھ انچ اور موٹائی دو انچ ہے۔ دروازے کے اوپر چھت کے سہارے کے لئے اینٹوں کا قوس نماز محراب ہے۔ جو اسلامی طرز کا مظہر ہے۔ چھت میں آئینے جڑے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر نیلے رنگ کی روغنی اینٹیں لگائی گئی ہیں۔[7]

خواجہ معین الدین چشتی

خواجہ معین الدین کا شمار ملتان کے صوفیاء کرام میں اس لیے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے پانچ سال ملتان شہر میں گزارے اور اس سرزمین کو اپنے علم و فیض سے سیراب کیا۔ یہ ملتان کی تہذیبی، ثقافتی، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے ایک تاریخ ساز شخصیت تسلیم کیا جاتا ہے۔ خواجہ معین الدین اجمیری ۶ اور ۷ ہجری کے زمانہ تصوف میں جن صوفیاء کرام کا ذکر ہوتا ہے ان میں یہ صفِ اول میں شامل ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری کی تبلیغ کے اثر نے بہت سے لوگوں میں نئی مذہبی حس پیدا کر دی اور ان میں ایمان پیدا کیا۔ ملتان میں ان کی آمد کا ایک مقصد مہر عبدالحق کے مطابق یہ تھا کہ "حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری لاہور سے ہندوستان جانے لگے تو انہیں ایسی زبان سیکھنے کی ضرورت پیش آئی جو ان کے فریضہ تبلیغ اسلام میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ ملتان تشریف لائے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے ۵ سال تک ملتان میں قیام فرمایا اور اس دوران عوام کی بولی سیکھی"[8]۔ آپ نے ملتان میں رہ کر سنسکرت اور پراکرت پر عبور حاصل کیا۔ اعجاز الحق قدسی لکھتے ہیں کہ خواجہ معین الدین اجمیری صوفیاء میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے زبان کو قومی وحدت کا ایک ذریعہ

بنایا اور زبان کو وسیلہ بنا کر رشد و ہدایت اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ ہر زبان ابلاغ کا ذریعہ ہے کسی زبان سے تعصب برتنا یا علاقائی عصبیت پر اس کا نہ سیکھنا ابلاغ کے ایک بڑے ذریعے سے محرومی ہے۔[9]

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ

ملتان کے صوفیاء میں سب سے زیادہ شہرت حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کو حاصل ہوئی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے ان کے مریدوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس لئے کہ ان کو سیاسی طور پر اقتدار حاصل رہا اور ان کے تعلقات بادشاہوں اور حکمرانوں کے رہے۔ یعنی آپ ان بزرگوں میں سے تھے جو مذہب اور سیاست کے ملاپ کے لیے حکمرانوں سے تعلقات قائم کئے رہے اس طرح ایک طرف تو وہ حکمرانوں کو مذہب کی اعانت دیتے رہے۔ اور دوسری طرف خود بھی سیاسی طور پر مقتدر رہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانتے رہے۔ بطور صوفی بھی ملتان میں ان کی ولایت قائم رہی اور مختلف صوفیاء نے ملتان میں انکی سربراہی اور ولایت قبول کی۔ ”عبدالمجید سالک لکھتے ہیں کہ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا نے ملتان میں دینی مدرسے مدرسہ بہائیہ کی بنیاد رکھی یہ فقط ایک مدرسہ ہی نہی بلکہ ایک روحانی درسگاہ تھا۔ یہاں بہت سے حافظ اور قاری پیدا کرتا تھا اور تبلیغی مرکز حضراتِ علماء کو مبلغ بنایا۔ حضرت شیخِ اسلام نے لسانی بنیادوں پر شعبے قائم کیے۔ سنسکرت، بنگالی، سندھی، فارسی، عربی جادی، برمی، موہٹی، الغرض مشہور زبانون کے الگ الگ شعبے تھے۔ یہاں علم و فن کے ساتھ ساتھ ہنر بھی سکھایا جاتا تھا۔ تاکہ لوگ اپنی تجارت و کاروبار کر سکیں۔ مدرسہ بہائیہ ۷ برس تک آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد یہ سلسلہ حضرت شاہ رکن عالم کے زمانہ تک جاری رہا۔[10]

روضہ غوث بہاوالدین زکریا

یہ مقبرہ ساڑے نو فٹ کے آثار پر چوکور اساس پر تعمیر ہوا ہے۔ مقبرہ اندر ۵۳ فٹ مربع ہے۔ اس طرز کا دوسرا مزار ہندو پاکستان میں فقط ایک اور ہے۔ جو سُیونی پت میں ہے۔ شہتیر نما چوبی ٹکڑے مختلف کونوں میں مظبوطی پیدا کرنے کے لیے لگائے گئے ہیں۔ دروازوں اور ان کے اوپر دریچوں پر اس قسم کے چوبی ٹکڑے تہ بہ تہ مختلف اونچائیوں میں نصب کئے گئے ہیں۔ جس سے سطح سطور کا دلآویز نقشہ پیدا ہو گیا ہے۔ مقبرہ کے اندرونی کمرے کے صدر دروازہ کی لکڑی پر آیتہ الکرسی خط نسخ میں نمایاں طور پر لکھوائی گئی ہے۔ چوب کاری میں کاری گروں نے صرف اسلامی یا ایرانی روایات کو ہی مد نظر نہیں رکھا بلکہ اپنی فنی صلاحیت اور تخیل سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً دروازہ کی چوکھٹ کے بازوؤں پر جہاں لکڑی میں اس کا نمونہ ابھارا گیا ہے جس کے مجموعی اثر سے خیمہ سے بنیادی اسلامی تصور کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ تربت کے گرد چوبی منقش کٹہرہ بعد میں لگایا گیا[11]

یہ مقبرہ ملتان کے مخصوص فن تعمیر کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ جو تناسب اور ہم آہنگی کا شاہکار رہے۔ اس کا منقش محرابی دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ چالیس فٹ اونچی بنیادی منزل میں کسی قسم کی آرائش نہیں کی گئ۔۔ لیکن ریاض احمد ملک کے الفاظ میں ”اگرچہ عمارت کا طرز تعمیر سادہ ہے لیکن پہلی نظر میں اس کی مقصدیت سے بھرپور اثر آفرینی اور عظمت اپنی پوری سادگی اور وقار کے ساتھ نظر آجاتی ہے۔[12] شیخ اکرام الحق نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے[13] **روضہ غوث بہاؤالحق:** یہ روضہ قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) پر بھگت پرھلاد کے مندر سے متصل ہے۔ شروع سے لے کر آج تک مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔ اس مزار میں حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی کے ساتھ ان کے فرزند اور خلیفہ شیخ صدرالدین عارف بھی مدفون ہیں۔ یہ مقبرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی نے اپنی زندگی میں خود تعمیر کرایا تھا اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ یہ مزار ۸۴۸ء کے محاصر میں تباہ ہو گیا تھا اور مسلمانوں نے اسے دوبارہ بنوایا۔ اس کی تفصیل ہم شیخ اکرام کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔[14] حضرت شاہ رکن عالمؒ **تعمیر مزار اور اہمیت:** حضرت رکن الدین عالم حضرت بہاوالدین زکریا ملتان کے پوتے تھے

اور وفات کے بعد اپنے دادا کے مزار میں دفن کئے گئے۔ ان کا موجودہ مزار سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے لیے تعمیر کرایا تھا۔ کیونکہ زیادہ تر ملتان میں قیام پذیر رہتا تھا۔ ۱۳۲۵ء میں وہ دہلی گیا اور وفات پائی تو اسے دہلی میں دفن کر دیا گیا تھا اور اس کے بیٹے تغلق نے جو حضرت رکن الدین سے گہری عقیدت میں منتقل کر دیا گیا یہ عمارت اپنے مخصوص طرز تعمیر میں تین ثقافتوں کے امتزاج کی حامل ہے یعنی عربی، ایرانی اور ہندوستانی فن تعمیر کا مرکب ہے۔ ''مراقع ملتان'' میں بیان کرتے ہیں کہ:۔

''قلعہ کے جنوب مغرب میں حضرت شاہ رکن عالمؒ کا عظیم الشان روضہ واقع ہے''۔ 15

دنیا کے اس بلند ترین لاثانی اور نادر روزگار ہشت پہلو مقبرہ کی گولائی ۵۸ فٹ اور سطح زمین سے بالائی نقطہ تک اونچائی ۱۵۳ فٹ ہے اس کا قبہ ایسی چابکدستی سے کامل قوس کا بنایا گیا ہے۔ اس عمارت کا مثنیٰ بنانا تو ممکن ہے مگر بقول ماہرین تعمیرات اس تناسب سے کامل قوس کی عمارت بنانا ممکن نہیں تاریخی حیثیت سے یہ اپنی طرز کی دنیا کی پہلی آواز آخری عمارت ہے جسے جدت پسند ملتانی صناعوں نے کمال ہنرمندی سے ترچھی دیواروں پر سہ منزلہ کھڑا کیا ہے۔ سلطان تغلق نے یہ مقبرہ متدین معماروں سے اپنے خرچ سے اپنے لیے تعمیر کرایا تھا۔ اس پر سرکاری روپیہ خرچ نہ ہوا تھا چونکہ اسلطان ہنگامی حالات میں دہلی میں منشی عبدالرحمٰن خان اپنی کتاب ''آئینہ ملتان'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:''اس مقبرہ پر بھی شے رشاہ نے مسجد تعمیر کرائی تھی۔ جنوبی دروازہ والی چھوٹی سی مسجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بنوائی تھی اور مقبرہ کے شمال میں اورنگ زیب نے مسجد بنوائی تھی بھرپور رنگ کی خوشنما ٹائلوں نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ شہر بھر میں سب سے اونچی پر شکوہ اور نظارہ افروز عمارت ہے اسے حسن ارغون کے حملہ میں شدید نقصان پہنچا تھا''۔

آپ کا مقبرہ تاریخ اور تعمیری خصوصیات کے باعث بجاطور پر ملتان کی قدیم عظمت کا نشان کہا جاتا ہے۔ یہ گنبد پ محیط کے اعتبار سے ایشیاء کا دوسرا بڑا گنبد ہے۔ یہ عظیم والشان عمارت اسلامی تعمیر کا حسن امتیاز ہے اور اپنی خوبصورتی کے باعث زائرین کی نگاہیں خیرہ کر دیتی ہیں۔ یہ مقبرہ سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت غوث العالمین کے قرب میں دفن ہونے کی خاطر اپنی ذاتی خرچ سے تعمیر کرایا تھا۔ مگر اتفاق سے سلطان غیاث الدین تغلق کی موت دہلی میں ہوئی اور اسے دہلی میں دفن کر دیا گیا۔ سلطان کا جانشین محمد شاہ تغلق مخدوم رکن الدین عالمؒ کا معتقد تھا۔ اس نے حضور سے گزارش کی کہ آپ اس مقبرہ کو عبادت گاہ کے طور پر اس استعمال کریں۔ حضرت مخدوم رکن الدین مقبرہ کو عبادت کے لیے استعمال کرتے رہے۔ زندگی کے آخری لمحات میں آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے جدامجد غوث العالمین کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ وصیت کے مطابق آپ کو حضرت غوث بہاوالدین زکریا کی پائنتی میں دفن کیا گیا۔ 16

''آفتاب ہاشم''

''سلطان محمد شاہ تغلق کو غوث بہاؤالدین زکریا کی طرف سے بشارت ہوئی کہ قطب کو میرے قدموں سے دوسرے مقبرے میں منتقل کیا جائے۔ لہٰذا فیروز شاہ تغلق نے حضرت کے تابوت کو خود کندھا دے کر اس (موجودہ) مقبرہ میں منتقل کیا اس وقت ہزاروں کی تعداد میں مریدین وعوام موجود تھے''۔ 17 حضرت قطب الاقطابؒ کی روحانی عظمت اور مقبول بارگاہ ہونے کا ایک ثبوت آپ کا یہ مقبرہ بھی ہے ایک باجبروت بادشاہ نے اس اعتماد کے ساتھ یہ مقبرہ تعیر کروایا تھا کہ اس کا عظیم گنبد اور دلکش محرو بیں لوگوں کے دلوں میں اس کی یاد تازہ کرتی رہیں گی۔ لیکن یہ ایک درویش کے نصیب میں لکھا تھا کہ اس کا مدفن یہ پر شکوہ مقبرہ بنے اب یہ مقبل قطب الاقطاب سے منسوب ہے۔ صرف تاریخ کے اوراق کی شہادت سے اس کے بانی سلطان ہند غیاث الدین تغلق کا سراغ ملتا ہے۔ سچ ہے کہ جو لوگ خدا کے لیے خود کو مٹا دیتے ہیں۔ رب العالمین انہیں زندگہ جاوید کر دیتا ہے یوں کہ ان کی قبروں سے بھی نیکیوں کی خوشبو بھوٹتی ہے۔

طرز تعمیر

"حضرت قطب الاقطاب رکن الدین عالم کا مقبرہ غیاث الدین تغلق نے ۱۲۳۰۔ ۱۳۲۴ء میں بنوایا۔ یہ مقبرہ ہشت پہلو ہے۔ اس کی پہلی منزل کی دیواریں ڈھلوان ہیں۔ البتہ دیواروں کے زاویوں پر مخروطی برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان پر کلس لگے ہوئے ہیں۔ منڈیریں مزین ہیں۔ دوسری منزل میں جس پر گنبد قائم ہے۔ چاروں طرف غلام گردشیں چھوڑی گئی ہیں۔ اس عمارت کی خصوصیات دیواروں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک لکڑی کے افقی تختے پیوست ہیں۔ اینٹیں منبت ہیں۔ ان پر جابجا نیلی اور سفید ٹائلیں جری گئی ہیں۔ ان ٹائلوں پر اقلیدی ابھرے ہوئے ہیں۔

نقش ورنگ کی اس زیبائش سے عمارت کی خوشن نمائی اور نفاست میں اضافہ ہوا ہے۔ اچ کے مزار بھی اس نمونہ پر تعمیر ہیں۔ لیکن زمانے کی ناقدری کا شاہکار ہیں۔ امتداد زمانہ اور گردش حالات کے باعث اس مقبرے پر کئی حوادث گزرے لیکن اس کی عظمت اور خوش نمائی ذرا فرق نہیں آیا۔ ماسوائے کہ اس کے گنبد کا جھکاؤ کسی قدر ایک طرف کو ہو گیا ہے۔ ۹۳۲ء میں حسن شاہ ارغون نے ملتان فتح کیا تو حکمران لنگاہ خاندان کے بہت سے افراد اور قیمتی سامان لے کر مقبرے میں جا چھپے۔ حملہ آوروں نے ان کو باہر نکالنے کے لئے تیل میں بھیگی بوریا جلا کر اندر پھینکی۔ جس سے لکڑی کی جالیوں وغیرہ کو کسی قدر نقصان پہنچا لیکن مقبرہ محفوظ رہا۔ دوسری بار انگریزوں کی گولہ باری سے مغل شہنشاہ حضرت اورنگ زیب کی تعمیر کردہ مسجد کو نقصان پہنچا۔ مقبرہ محفوظ رہا۔ موجودہ مسجد رئیس بھونگ غازی محمد خان نے تعمیر کروائی تھی۔

تاریخ میں یہ بات موجود ہے کہ دہلی کے حکمران سلطان غیاث الدین تغلق کے حکم سے یہ عمارت ۱۳۲۰ء سے ۱۳۲۴ء کے دوران تعمیر ہوئی۔ حقائق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے اسے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر تعمیر کرایا تھا۔ اس کے بیٹے سلطان محمد بن تغلق نے بعد میں اسے حضرت ابوالفتح رکن عالمؒ کے جسد خاکی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے مخصوص کیا کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت "وفات پانے والے کی شان میں تعمیر کی گئی یادگاروں میں سے ایک عظیم اور عالی شان یادگار ہے۔ کیونکہ ملتان کے فن تعمیر کی روح اس عمارت کے جسم میں سمٹ آئی ہے۔ منشی عبدالرحمٰن خان "تاریخ ملتان" میں رقمطراز ہیں کہ: "حضرت رکن عالمؒ کو مزار کسی طور پر فن تعمیر میں کم تر نہیں کہا جا سکتا ہے اس کی ہشت پہول بنیادیں نوے فٹ جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ مزار کی مکمل بلندی ایک سو پندرہ فٹ ہے۔ جس میں پہلی منزل ۵۰ فٹ اور دوسری ۲۵ فٹ اور تیسری یعنی گنبد اپنی کلس سمیت چالیس فٹ پلند ہے۔ چونکہ عمارت قلعہ کی بلند ترین جگہ پر بنائی گئی ہے اس لیے آس پاس کے علاقہ سے اس کی بلندی ایک سو پچاس فٹ سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ گنبد کا گھیراؤ اندر سے پچاس فٹ ہے۔ مزار کی دوسری منزل بھی پہلی کی طرح ہشت پہلو ہے۔ عمارت کی بنیادیں ٹھوس اینٹوں سے اٹھائی گئی ہیں۔ ۱۳ فٹ موٹی دیواروں میں جگہ جگہ لکڑی کے شہتیر دھنسے ہوئے ہیں۔ جن پر آرائش اور رنگوں کے امتزاج سے مزار کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔"

ٹائلوں کا استعمال

منشی عبدالرحمٰن خان مزید لکھتے ہیں کہ: "مزار کے آٹھوں کونوں پر ڈھلواں مزار مینار اور اوپر کی منزل پر قدرے دبا ہوا گنبد تمام عمارت اور اس کی تینوں منزلوں میں ایک قسم کا تناسب پیدا کرتا ہے۔ جس سے اس عمارت کی خوبصورتی اور وقار میں اضافہ ہو گیا ہے۔ عمارت کے کئی حصے روغنی اینٹوں سے مزین ہیں۔ جب کہ درمیان میں کہیں کہیں کھدے ہوئے زیبائشی نمونوں کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ چمکدار روغنی گہری نیلی، ہلکی نیلگوں اور سفید ٹائلوں کا وسیع استعمال خطوطی سجاوٹ میں کیا گیا ہے۔ اینٹوں کے نقشین نمونے دیواروں کی عمومی سطح سے نصف تا دو انچ تک اوپر اور باہر ٹھے ہوئے ہیں۔ جن سے عمارت کا

بھاری پن ایک ہلکے فن کارانہ تاثر میں تبدیل ہوتا نظر آتا ہے۔ ابتداء میں اندرون عمارت پلستر شدہ رنگین تھی جبکہ لحد مبارک کی سادہ اینٹوں پر پلستر کیا گیا تھا”[18]

لکڑی کا استعمال

کہا جاتا ہے کہ مزاروں کی دیواروں میں (ان میں پاک پتن اور ملتان کے دوسرے مزار بھی شامل ہیں) لکڑی کے شہتیروں کے استعمال کی وجہ سجاوٹ و آرائش کے علاوہ یہ بھی تھی کہ اتنی بڑی عمارت میں زلزلے کے زبردست جھٹکے برداشت کرنے کی صلاحیت بڑھائی جاسکے۔ یہ سائنسی اصولوں کے مطابق حقیقت کے قریب ترین توجیہہ ہوسکتی ہے۔ چند برس پیشتر ماہرین آثار قدیمہ مزار کی مرمت کرارہے تھے تو اس وقت زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے لیکن عمارت انہیں برداشت کر گئی اور اس قدر عظیم الجثہ عمارت کا طویل عرصہ تک بالکل صحیح حالات میں اب تک قائم رہنا بھی اس کی حقیقت کا واضح ثبوت ہے۔ ماہرین تعمیر کا اصل مقصد یہ تھا کہ ڈھلواں دیواروں اور برجی پہلوؤں کے بنانے سے عمارت میں اہراموں کی سی خوبصورت اور تناسب کے ساتھ ساتھ مضبوطی بھی حاصل کی جاسکے اور یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اتنی عظیم بلندی کا مقصد غالباً یہ تھا کہ صحرا کے اس میدانی علاقے میں اس عالیشان عمارت کی عظمت اور وقار دیکھنے والوں کی نظر کا مرکز رہے اور میدانی برہنہ سپاٹ افق کے مقابلہ میں نمایاں طور پر نظر آئے۔

نقشین روغنی ٹائلیں استعمال کرنے کا مقصد غالباً چمکدار رنگوں سے صحرا کے دے ہوئے اور سست رنگوں سے بغاوت کے احساس تھا۔ جب ۱۳ فٹ ٹھوس دیواروں کے سوراخوں اور بالائی منزل کے دریچوں کی جالیوں سے چھن چھن کر آنے والی ہلکی ہلکی روشنی، صحرا کی تپتی دھوپ اور تیز روشنی، کہ جس کے لیے ملتان مشہور ہے، سے بچاؤ کا اظہار کرتی ہے گویا عظیم صوفی کی آرام گاہ ایک ابدی ٹھنڈک اور مقدس سکون کا احساس دلاتی ہے۔

طرز تعمیر میں یہ عمارت تین مختلف ثقافتوں کا اظہار کرتی ہے یعنی عربی، ایرانی اور ہندوستانی ان میں سے ہر ثقافت کے بہترین شواہد ہمیں اس عمارت کے فن تعمیر میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس میں ماہرین تعمیر کا ایک خصوصی نقطہ نظر کارفرما تھا جو یقیناً یہ تھا کہ ایک ایسے عظیم فن پارہ تعمیر کی تخلیق کی جائے جو اس علاقے کے فن تعمیر کی روشن مثال ہو اور جس سے اس کی تخلیق کی مقصدیت اہمیت اور علاقے کے لوگوں کے ثقافتی ماحول، ان کی سوچ کا انداز اور بزرگوں کے لیے عزت و محبت کا احساس صدیوں تک قائم رہے۔

حضرت مخدوم ابوالحسن جمال الدین موسیٰ پاک شہید

مدینۃ الاولیاء ملتان میں سادات حسینہ قادریہ کی بنیاد ۹۸۵ھ میں شیخ الکل مخدوم حافظ سید ابوالحسن جمال الدین موسیٰ الگیلانی المعروف موسیٰ پاک شہید نے رکھی۔ جن کا شجرہ نسب اور سلسلہ طریقت حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے توسط سے نواسہ رسول حضرت سیدنا امام حسین مجبتیٰ بن علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

مزار کی تعمیر تان کے پاک دروازہ آپ ہی کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ آپ کے مریدین بلخ، بخارا، ایران اور افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں”۔[19] “شہر میں ایک مشہور مزار پاک گیٹ کے اندر موسیٰ پاک شہید کا ہے۔ شیخ عبدالحسن موسیٰ پاک شہید 1545ء میں اچ کے عبدالقار جیلانی کے ہاں پیدا ہوئے اور 1560ء میں ملتان تحصیل کے جنوب کی طرف منگیھتی کے قریب حملہ آوروں کے ساتھ جھڑپ میں شہید ہوگئے۔ ان کا جانشین 1616ء میں انکا جسد خاکی ملتان لایا کہا جاتا ہے کہ جسم بالکل بھی خراب نہیں ہوا تھا اور انہیں گھوڑا پر لایا گیا۔ ان کی اولاد میں حامد گنج بخش (مدفن نزد موسیٰ پاک شہید) یحیٰ نواب (مدفن پاک اور حرم گیٹ کے درمیان)، عنایت ولایت (مدفن نزد حرم گیٹ) اور جان محمد (مدفن دہلی) شامل ہیں۔ موسیٰ پاک کے مزار پر

پٹھان حاضری دیتے ہیں اور جمعرات کی شاموں کو ایک چھوٹا سا میلہ لگتا ہے۔ شجاع آباد میں حافظ والا گاؤں کا ایک حصہ اس کے سجاد نشینوں کو بطور جاگیر حاصل ہے"۔[20]

طرز تعمیر

پاک دروازے کے اندر تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر بازار کلاں میں بائیں جانت ایک بلند دروازہ آتا ہے۔ دورازہ کے اندر کی جانب دکانات، بائیں جانب مزارات کے سامنے سبز رنگ کا روضہ ے خانقاہ کا داخلی دروازہ بہت خوبصورت ہے۔ پیتل منڈی ہوئی اس پر چاندنی کے ٹکڑے نہایت چابکدستی سے جڑے ہوئے ہیں۔ سید امتیاز حسین شاہ اپنی کتاب "اولیائے ملتان" میں رقمطراز ہیں کہ:۔ "مزار کا ایک حصہ غربی دیواز ڈال کر الک کیا ہوا ہے۔ جس میں وہ مستورات مدفون ہیں۔ جو آپ کے ساتھ ملتان آئی تھیں۔ روضہ کے آگے زائرین کے لیے ایک دلانچہ ہے۔ جس میں مجاورین کی نشست ہوتی ہے اسکے آگے صحن ہے اس صحن کے دائیں بائیں قبور سادات ہیں۔ صحن کے شمالی حصہ میں آم کا ایک درخت ہے جو حضور موسیٰ پاک کے زمانہ کی یاد گار ہے۔ روضہ کے تین دروازے اور ایک جالی ہے۔ دو دروازے بطرف شمالی واقع ہیں اور جالی وسط میں ہے"۔[21] قبہ کے نیچے 22 فٹ مربع عمارت ہے جس کے اندر 8 فٹ مربع مرمریں چبوترہ ہے اس میں تین قبریں ہیں۔ درمیانی قبر حضرت موسی پاک شہید کی ہے۔ قبر میں پتھر کی جالی کے جھروکے ہیں رات کو بجلی کے قمقمے روشن ہوتے ہیں تو بڑا حسن پیدا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں چونکہ موسیٰ پاک شہید کی سواری بعد الوفات مہنگے ہٹی سے اسی دروازے سے نمودار ہوتی تھی۔ اس لیے اس دروازہ کا نام پاک گیٹ مشہور ہوا۔ اسی طرح مستورات اور حرم محترم کا وردد اس دروازہ سے ہوا جو غربی طرف ہے۔ اس لیے وہ دروازہ حرم دروازہ مشہور ہے۔ روضہ مقدس کا ایک غربی دیوار ڈال کر الگ کیا ہوا ہے۔ جس میں مستورات مدفون ہیں۔ جو آپ کے ساتھ ملتان آئی تھیں روضہ کے آگے شرقی سمیت داخلی وخارجی زائرین کے لیے ایک دلالچھے جس میں مجاورین کی نشست ہوتی ہے۔ اسکے آگے صحن ہے اس صحن کے دائیں بائیں قبور سادات ہیں۔ صحن کے شمالی حصہ میں آم کا ایک درخت ہے جو حضور موسیٰ پاک کے زمانہ کی یاد گار ہے۔ "روضہ" کئے تین دروازے اور ایک جالی مقدس ہے دو دروازے بطرف شمال واقع ہیں اور جالی وسط میں ہے جالی کے غرب والا دروازہ مستورات مدفونہ کے حصہ میں ہے جو مسدود انہا ہے۔ جو دروازہ شمال کی طرف ہے وہ محرم اور عیدین کو مفتوح ہوتا ہے"۔[22] دروازے کے اندر چند قدم چل کر ایک بڑا احاطہ آتا ہے جس کے دائیں طرف مکافات بائیں جانب مزارات سامنے سبز رنگ مقبرہ ہے۔ عقب میں شاندار مسجد ہے جس کی تعمیر گیارہویں صدی ہجری میں ہوئی تھی۔ خانقاہ کا داخلی دروازہ بہت خوبصورت ہے پتیل مندھی ہوئی ہے اور لکڑی پر چاندنی منڈھی ہے۔

کوزہ گری

کوزہ گری اور ظروف سازی بھی ایک مفید فن ہے۔ یہ بھی اسلامی فن کے حسن و جمال کا مظہر ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ مٹی کے ظروف بھی صوفیانہ مسلک کے بدولت ہیں۔ صوفیا کی سادگی اور درویشانہ اصول زیست نے مٹی کے برتنوں کو مقبول بنایا ان پر نقاشی اور خطاطی بھی کی جاتی ہے۔ تاریخی حقائق سے ثابت کرتے ہیں کہ ایرانی فن کوزہ گری کے اثر سے قبول کیا گیا۔[23]

قالین بانی اور پارچہ بافی

مساجد اور خانقاہوں کی سجاوٹ اور تزئین کے سلسلے میں قالین بافی، دریاں، چادریں، لنگیاں دریائی اور سموسی وغیرہ کا مفید کام شروع ہوا۔ زمانہ قدیم میں قالین بافی کا فن بطور خاص عروج پر تھا۔ شیخ اکرام الحق ارضِ ملتان میں لکھتے ہیں۔ "ایرانی اثرات کے ساتھ یہ صنعت بھی ملتان آئی۔ سوت اور اون کو ملا کر قالین تیار کیئے جاتے ہیں مگر ایرانی اونی قالینوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

اس لیے ان کو چنداں فروغ حاصل نہ ہوا۔ البتہ تقسیم ملک کے بعد ادنی قالین بننے لگے جو زرمبادلہ کے حصول کے لیے انگلستان کو خاصی مقدار میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ اور اچھی قیمت پاتے ہیں۔

فن خطاطی

مسلمانوں نے ہمیشہ فنِ خطاطی کو اہمیت دی۔ اس کا ایک سبق قرآن کی کتابت کے ذریعے سعادت کا حصول اور کتاب اللہ کا تحفظ تھا۔ اور دوسری طرف رسم الخط کے جمالیاتی خصائص تھے۔ قرآن مجید کے علاوہ تصوف کی بیشتر کتابیں مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ بعض کتابوں کو صوفیاء اپنے ہاتھوں سے نقل کر کے دوسرے صوفیاء کو بھیجتے تھے۔ ابنِ عربی کی فصوص الحکم ان کتابوں میں سرفہرست ہے۔ ملتان میں جب اس کا قلمی نسخہ پہنچا تو صوفیاء نے ان کی نقول ہندوستان کے دیگر شہروں میں پہنچائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیاء کرام کو فنِ خطاطی کتنی دلچسپی تھی[2]۔ نتیجہ بحث کہ ملتان کی ابتدائی تخلیقی سرگرمیوں کا محور صوفیاء کرام رہے۔ اور یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ ان صوفیاء کرام کی تخلیقی و تبلیغی سرگرمیوں نے ملتان میں ایک ایسی ثقافت کو جنم دیا جن کو صوفیانہ ثقافت کا نام دیا جاتا ہے۔ جس سے ملتان کے تمام تر تہذیبی، ثقافتی، علمی، تعمیری سرگرمیوں کو متاثر کیا۔ جس سے ملتان کو ہمیشہ سادگی شرافت اور حسنِ تعمیرات میں ایک منفرف مقام حاصل کیا۔

References

[1] Syed Asad Ali, Hindi Adab kay bhagti Call par Muslim Saqāfat ky Asrāt (Delhi: Taraqi-e-Urdu board, 1969), 239.
[2] Muhammad Qasim Farishat, Tareekh-e- Farishta (Novelkishoor: Sheikh Muhammad and sons),1:9.
[3] Sheikh Ikram ul Haq, Arze Multan (Multan: al-Ikraam), 161.
[4].Khaleek Ahmad Nizāmī, Tareekh-e-Mashaikh-e-chiht(Islamabad: " ,Dār al-moallifeen), 98
[5] Nizāmī, Tareekh-e-Mashaikh-e-chiht, 79.
[6]Bashir Hussain Nāzim, "Owliyā-e-Multan", Sange meel publication Lahore , 54
[7]Alama Atiq fiqri, Baresageer par Multan kay Ilmi Asrāt (Multan: Imroz, 1969),28.
[8]Ikram ul Haq, Arze Pakistan (Lahore: al-Ikram), 235.
[9]Hassan Raza gardezi ,;'moqadma shah yousaf Gardaiz ,multan kitab khana,65
[10] Dr. Mehar abdul Haq, Saraiki Zuban aur us ki hamsaya elaqaee zubanay (Multan: Saraiki adab bol 1977), 8.
[11] Molvi abdul haq, Doctor ,"urdu ki ebtaidaee nashonoma may sofiay karaam ka hissa', Matboa anjuman taraqi urdoa Pakistan,eshaat chaharam 1988, 8
[12]Noor Ahmed Fareedi, Tazkira Baha ul Din Zakrai Multani (Laore: Awqāf, 1980), 40.
[13]Fareedi, Tazkira Baha ul Din Zakrai Multani, 40.
[14] Ikraam ul haq, Arz Multan, 135.
[15]Urdu ki ebtaidaee nashw-o-noma main Sofiāy kirām ka hissa,78.
[16]Munshi Abdul Rehman khan, "Aina-e- Multan (Multan: Ashraf al-Marif), 232.
[17]Makhdoom zada bashir Hussain hashmi chishti mehrvi, Aftab Hasim, 6,42.
[18]khan, "Aina-e- Multan ,232.
[19]khan, "Aina-e- Multan, 153.
[20]Farhat Multan," Awliay-e- Multan (Multan: Tanveer adab),2, 58.
[21]Syed Imtaiz Hussain shah , Awliāy Multan, Nazar manzoor Siaraani,8.
[22]Farhat Multan," Awliay-e- Multan, 58.
[23]Abdul Qayoom , Urdu Diāra Maarif-e-Islamia (Lahore: Danishgah Punjab), 15:85.